انیسواں فقہی سمینار

- ☆ غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق
- ☆ موجودہ کرنسی کی شرعی حیثیت
- ☆ تورّق کا مسئلہ
- ☆ ایام قربانی میں کس مقام کا اعتبار ہے؟
- ☆ کاروبار میں والد کے ساتھ اولاد کی شرکت

سوالنامہ

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق

شریعت اسلامیہ نے رشتۂ نکاح کو ختم کرنے کا حق شوہر کو ہی دیا ہے، شوہر کے ماسوا کسی کو یہ حق شوہر کی طرف سے اس کی نیابت میں ہی حاصل ہوتا ہے، یہ نیابت وکیل کی بھی ہوتی ہے، اور کبھی حاکم وحَکم کو بھی حاصل ہوتی ہے اور اس صورت میں وکیل یا حاکم وحَکم کی طرف سے رشتۂ نکاح کو ختم کیا جاتا ہے۔

البتہ حاکم کی طرف سے علیحدگی کے فیصلے میں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ شوہر موجود نہیں ہوتا یا شوہر راضی نہیں ہوتا پھر بھی حاکم ایسے فیصلے پر مجبور ہوتا ہے۔

حاکم اگر مسلمان ہے خواہ قاضی شرعی ہو یا امیر تو اس کے فیصلے کا شرعاً اعتبار متفق علیہ ہے، اس لئے کہ شریعت نے اس کو عامۃ المسلمین کے مفادات کے حق میں ولایت عامہ دی ہے، اس کی وجہ سے اس قسم کے فیصلے بھی نافذ ہوتے ہیں۔

البتہ حاکم کے غیر مسلم ہونے کی صورت میں سوال ہے کہ اس کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟ ہندوستان میں تو عموماً رائے اس کے عدم اعتبار کی ہے؛ لیکن مغربی ممالک میں جہاں بڑی تعداد میں برصغیر کے باشندے بھی ہیں، وہاں اس کی وجہ سے لوگ الجھن واضطراب میں بھی ہیں اور وہاں بعض حضرات کا رجحان یہ ہے کہ حاکم غیر مسلم بھی ہو تو حاکم ہے؛ لہذا اس کے ان فیصلوں کا بھی اعتبار کیا جانا چاہئے؛ لیکن وہاں بھی عام رجحان یہ نہیں ہے اور لوگ اس کی وجہ سے اضطراب اور پریشانیوں کا شکار ہیں، اس صورت حال کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے مسئلہ کی تحقیق مقصود ہے: تاکہ اس الجھن واضطراب کو دور کیا جاسکے۔

حاصل شدہ معلومات کے مطابق برطانیہ وغیرہ میں کئی شکلیں پائی جاتی ہیں جو دوسری جگہوں میں بھی ہوسکتی ہیں مثلاً:

۱۔ شوہر غیر مسلم عدالت میں درخواست دیتا ہے کہ میں اپنے رشتہ ازدواج کو ختم کرنا چاہتا ہوں؛ لہذا میرے حق میں اس رشتہ کے انقطاع کا فیصلہ کردیا جائے، اور اس کے بعد عدالت ضابطہ کی کارروائی کرنے کے بعد طلاق وفرقت کا فیصلہ کردیتی ہے، اس صورت کا کیا حکم ہوگا اور کیا اس درخواست کو تفویض وتحکیم مانا جاسکتا ہے، اور اسی بنیاد پر غیر مسلم جج کا فیصلہ معتبر ہوگا؟

۲۔ دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ عورت کی طرف سے عدالت میں درخواست آتی ہے کہ میرا رشتۂ نکاح ختم کردیا جائے، عدالت شوہر کو بلاکر اس سے دستخط لیتی ہے کہ جو فیصلہ ہوگا وہ تم کو منظور کرنا ہوگا، اور کارروائی کے بعد علاحدگی کا فیصلہ کیا جاتا ہے، اس صورت حال کا کیا حکم ہوگا اور شوہر کے دستخط کی کیا حیثیت ہوگی؟

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ عورت کی درخواست کے بعد شوہر عدالت میں نہیں آیا، یا آیا تو مگر دستخط وتفویض پر تیار نہیں ہوا اور عدالت نے حالات کا جائزہ لے کر تفریق کا فیصلہ کردیا تو اس کا کیا حکم ہوگا؛ جبکہ اس صورت میں جو فیصلہ ہوا ہے، اس کی بابت شوہر کی طرف سے کوئی آمادگی نہیں ہے؟

۴۔ کیا مسئلہ میں اس سے بھی کچھ فرق پڑسکتا ہے کہ جج اگرچہ غیر مسلم حکومت وغیر مسلم عدالت کا ہے، مگر مسلمان ہے، وہ اپنے عمومی

فرائض منصبی کے تحت اس قسم کا کام بھی کرتا ہے، تو کیا اس کو'' مسلم حاکم وقاضی'' کی حیثیت دی جاسکتی ہے، اوراس حیثیت سے اس کے فیصلۂ فرقت کا اعتبار کیا جاسکتا ہے؟

۵۔ضرورت اس کی بھی ہے کہ اس بابت کچھ اصولی روشنی ڈالی جائے کہ غیر مسلم عدالتیں اور حکام کس حد تک مسلمانوں کے معاملات میں فیصلے کرسکتے ہیں یا کس حد تک ان کے فیصلوں کا اعتبار مسلمان کرسکتے ہیں؟ اس بابت فقہاء کی اصولی وفروعی تصریحات وتوضیحات زیر بحث مسئلہ میں معاون ثابت ہوگی۔

☆☆☆

سوالنامہ

موجودہ کرنسی کی شرعی حیثیت

انسان کو اپنی بہت سی ضروریات دوسروں سے حاصل کرنی پڑتی ہے، مثلاً کسی کے پاس اجناس ہیں کپڑے نہیں ہیں، اور کسی کو کپڑے میسر ہیں؛ لیکن فرنیچر کی ضرورت ہے، ایسی صورت میں اشیاء کے حصول کا ایک طریقہ یہ ہوسکتا ہے کہ لوگ گیہوں کے تھیلے لے کر بازار میں جائیں اوراس کے بدلے چند گز کپڑے خرید کر لے آئیں؛ لیکن اس میں ایک دشواری تو یہ ہے کہ انسان کو اپنی معمولی ضروریات کے لئے بھی اچھا خاصا بوجھ اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا پڑے گا، دوسرے کپڑے کے ایسے تاجر کو تلاش کرنا ہوگا، جس کو گیہوں کی ضرورت بھی ہو ؛ چنانچہ قدیم زمانہ میں اشیاء کے تبادلہ کا یہی طریقہ مروج تھا؛ مگر اس کی دشواری کو دیکھتے ہوئے بتدریج مختلف مرحلوں میں سونے اور چاندی کے سکے مروج ہوئے، یہ حمل ونقل کے اعتبار سے بھی آسان تھے اور ان کے ذریعہ بازار سے کوئی بھی چیز حاصل کی جاسکتی تھی؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت بھی روم میں سونے کے سکے دینار کے نام سے اور ایران میں چاندی کے سکے درہم کے نام سے مروج تھے اور عرب میں یہ دونوں سکے چلا کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان ہی سکوں کو برقرار رکھا اور زکوۃ، دیت اور مختلف چیزوں کے لئے ان ہی کو معیار قرار دیا، اسی لئے ان کو فقہاء ''ثمن خلقی'' کہتے ہیں، سونے اور چاندی کی قیمتوں میں ایک حد تک استحکام تھا؛ اس لئے طویل عرصہ تک ان کو کرنسی کی حیثیت حاصل رہی، پھر آہستہ آہستہ ان کی جگہ کاغذی نوٹوں نے لے لی، ان نوٹوں کی قدر میں استحکام نہیں پایا جاتا اور کبھی کبھی اچھال اور زیادہ تر انحطاط پایا جاتا ہے، مثلا: اگر آج سے دس سال پہلے دس ہزار روپے میں دس تولہ سونا خرید کرنے کی صلاحیت تھی تو آج دس ہزار میں ایک تولہ بھی خرید نہیں کیا جاسکتا ہے، ایسی صورت میں مؤخر مطالبات کی ادائیگی کے وقت بعض اوقات روپے کی قدر میں بہت زیادہ فرق واقع ہوجاتا ہے، اگر بعینہ وہی مقدار ادا کی جائے تو صاحب حق کے ساتھ ناانصافی معلوم ہوتی ہے، اور اگر موجودہ قدر کے لحاظ سے زیادہ رقم دی جائے تو سود کا شبہ پیدا ہوتا ہے۔

اس مسئلہ کی بنیاد اس بات پر بھی ہے کہ ان کاغذی نوٹوں اور معدنی سکوں کی حیثیت بجائے خود ثمن کی ہے یا وہ وثیقۂ ثمن کا درجہ رکھتا ہے، اور اگر اس کی حیثیت وثیقۂ ثمن کی ہے تو اس کی حقیقی قدر متعین کرنے کے لئے پیمانہ کیا ہوگا؟ سونا چاندی معیاری ہوگا یا ماہرین معاشیات کی طرف سے مقرر کردہ اندازہ پر مبنی اشاریہ؟

اس پس منظر میں دوسرے فقہی سمینار منعقدہ ۸ تا ۱۱ ردسمبر ۱۹۸۹ء میں حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے کچھ سوالات اہل علم کی خدمت میں پیش کئے تھے؛ چنانچہ کرنسی سے متعلق بعض امور میں سمینار فیصلہ اور نتیجہ تک پہنچا لیکن دو سوالات وہ تھے جن کے بارے میں فیصلہ نہیں ہوسکا اور طے پایا کہ آئندہ ان پر بحث کی جائے، وہ سوالات حسب ذیل ہیں:

۱۔ کاغذی نوٹوں کی اپنی ذاتی کوئی قیمت نہیں ہوتی اور افراط زر کی صورت میں اس کی قوت خرید تیزی سے گرجاتی ہے، کیا اس صورت حال کی وجہ سے شرعاً یہ صحیح ہوگا کہ دیون یعنی مؤخر مطالبوں مثلاً قرض، مہر، پنشن، ادھار خریداری کی رقم اور وقت پر ادا نہ ہونے والی تنخواہوں کی ادائے گی کو قیمتوں کے اشاریہ سے وابستہ کردیا جائے، اور کیا ایسے کسی اشاریہ کی ترتیب اور اس کے ذریعہ ادائیگیوں میں انضباط ممکن بھی ہے،

اور کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ عامۃ الناس کے درمیان ادائیگیوں کے لئے ایسے معیار مقرر کرنا جن کی بنیاد دقیق فنی اصولوں پر ہو، باہمی مستقل تنازعہ کا موجب ہوگا، نیز یہ کہ اس طرح سو روپے کے بدلے پانچ سو روپے کی ادائیگی باب ربا کو کھولنے کا ذریعہ بنے گی؟

۲۔ کیا یہ جائز ہوگا کہ نوٹوں کی شکل میں قرض دیتے وقت یا مہر کے تقرر کے وقت یا ادھار فروختگی کے وقت طرفین واجب الادا نوٹ کی مالیت سونے یا چاندی میں طے کرلیں اور بوقت ادائیگی اسی قدر سونے یا چاندی کی قیمت کے مساوی نوٹوں کی ادئیگی عمل میں آئے؟

آپ سے درخواست ہے کہ اس سلسلہ میں اپنے تحقیقی جوابات سے سرفراز فرمائیں۔

☆☆☆

سوالنامہ

تورق کا مسئلہ

عام بینک ضرورتمندوں کوسود پر قرض فراہم کرتے ہیں، یہ قرض بعض دفعہ معاشی مقاصد یا ایسی ضروریات کے لئے لیے جاتے ہیں، جن میں مقروض کا مقصد کسی سامان کا حصول ہوتا ہے، جیسے کارخانہ کے لئے مشینیں، رہائشی ضرورت کے لئے گھر وغیرہ، اور بعض دفعہ قرض طلب کرنے والے کو نقد رقم کی ضرورت ہوتی ہے، جیسے ملازمین کے لئے تنخواہیں، علاج کے لئے ہسپتال کی فیس وغیرہ۔

اسلامی مالیاتی ادارے پہلی قسم کی مطلوبہ رقم کے لئے مضاربت، شرکت اور زیادہ تر مرابحہ یا اجارہ کا طریقہ استعمال کرتے ہیں، یعنی ضرورت مند شخص اگر کاروبار کے لئے رقم لینا چاہتا ہے تو اسے پارٹنر بنالیتے ہیں، یا بینک خود مطلوبہ اشیاء خرید کر کے ضرورت مند شخص کو زیادہ قیمت پر فروخت کردیتا ہے، اور اگر وہ شئ کرایہ پر لگائی جاسکتی ہوتو وہ بعض اوقات کرایہ پر لگا دیتا ہے؛ لیکن دشواری اس وقت پیش آتی ہے، جب ضرورت مند شخص کو نقد روپیوں کی ضرورت ہو؛ کیوں کہ اگر نقد رقم پر نفع لیا جائے تو ظاہر ہے کہ یہ ربا ہو جائے گا۔

اس کے لئے اسلامی بینکوں نے ایک طریقہ ''تورق'' کا اختیار کیا ہے، جس میں بینک خریدار سے کوئی ایسی شئ فروخت کرتا ہے، جس کو بیچ کر ضرورت مند مطلوبہ رقم حاصل کرسکتا ہے، عملی طور پر اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً ''الف'' کو ایک لاکھ روپے کی ضرورت ہوتو ضرورت مند بینک سے ایک لاکھ دس ہزار روپے کا لوہا ادھار خرید کرتا ہے، اور اسے ''ب'' سے ایک لاکھ روپے نقد میں فروخت کردیتا ہے، اس طرح ''الف'' کو ایک لاکھ روپے کی رقم حاصل ہوجاتی ہے، اور ''ب'' کو دس ہزار روپیہ نفع مل جاتا ہے، اور عام طور پر ''ب'' بھی بینک ہی سے منسلک ادارہ ہوتا ہے، اس طرح بالواسطہ اسے ہی دس ہزار روپے نفع حاصل ہوتا ہے۔

تورق کی اس صورت کا ذکر عام طور پر فقہاء حنابلہ کے یہاں ملتا ہے، جو بظاہر ''بیع عینہ'' سے قریب ہے، فرق یہ ہے کہ بیع عینہ میں خریدار جس شخص سے زیادہ قیمت پر ادھار خریدتا ہے، اسی شخص سے کم قیمت پر فروخت کردیتا ہے، تورق میں ایک شخص سے زیادہ قیمت میں ادھار ایک چیز خرید کرتا ہے اور اس کے بجائے کسی اور شخص سے کم قیمت پر وہی چیز بیچ دیتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اسلامی بینکوں کے لئے ضرورت مندوں کو نقد رقم فراہم کرنے کے لئے اس طریقۂ کار کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کیوں کہ شکل کے اعتبار سے یہ محض خرید وفروخت ہے اور مقصد کے اعتبار سے قرض فراہم کی جانے والی رقم پر نفع حاصل کرنا ہے، احکام شریعت میں معاملات کی ظاہری شکل کی بھی اہمیت ہے اور عاقدین کے مقاصد کی بھی۔

☆☆☆

سوالنامہ

ایام قربانی میں کس مقام کا اعتبار ہوگا؟

یہ بات ظاہر ہے کہ اسلام میں ایک عبادت قربانی ہے، جو حنفیہ کے یہاں واجب اور بعض فقہاء کے نزدیک سنت موکدہ ہے، دوسری عبادتوں کی طرح قربانی بھی وقت کے ساتھ مربوط ہے، چنانچہ جمہور کے نزدیک ۱۰، ۱۱، ۱۲/ذی الحجہ قربانی کے ایام ہیں اور بعض فقہاء کے نزدیک ۱۳/ذی الحجہ بھی ایام قربانی میں شامل ہے، موجودہ دور میں بحمد اللہ مسلمان دنیا کے مختلف خطوں میں موجود ہیں اور صورت حال یہ ہے کہ مغربی اور مشرقی ممالک میں بعض اوقات تاریخ میں ایک دن کا فرق ہوجاتا ہے، مثلاً یہ ممکن ہے کہ ایک جگہ ۱۰/ذی الحجہ شروع ہوگئی ہو اور دوسری جگہ ۹/ذی الحجہ ہو، یا ایک مقام پر ۱۳/ذی الحجہ شروع ہوگئی ہو اور دوسرے مقام پر ۱۲/ذی الحجہ ہو، ایسی صورتوں میں دو پہلو ہیں: ایک پہلو یہ ہے کہ فقہاء نے عام طور پر یہ بات لکھی ہے کہ اوقات قربانی میں اس مقام کا اعتبار ہوگا، جہاں قربانی کی جائے، نہ کہ اس مقام کا جہاں قربانی کرنے والا شخص رہتا ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ جہاں قربانی کی جارہی ہو، وہاں ۱۰/ذی الحجہ کی تاریخ شروع ہوگئی ہو، لیکن جس شخص کی طرف سے قربانی کی جارہی ہے، وہاں ۹/ذی الحجہ ہے اور قربانی کرنے والے پر ابھی قربانی واجب ہی نہیں ہے، تو کیا کسی حکم کا مکلّف ہونے سے پہلے ہی اس کی طرف سے اس عمل کو انجام دیا جاسکتا ہے۔

ان دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے درج ذیل سوالات آپ کی خدمت میں پیش ہیں:

۱- قربانی کے لئے وقت نفسِ وجوب کا سبب ہے یا وجوب ادا کا؟

۲- ایام قربانی میں مقام قربانی کا اعتبار ہوگا یا اس مقام کا جہاں قربانی کرنے والا مقیم ہو؟

۳- کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ قربانی کے آغاز کے لئے تو ضروری ہو کہ قربانی کرنے والے شخص پر ۱۰/ذی الحجہ کی شب طلوع ہوگئی ہو، لیکن قربانی کا وقت ختم ہونے میں مقام قربانی کا اعتبار ہو؟ یعنی قربانی کرانے والے شخص کے یہاں ۱۲/ذی الحجہ ہو اور جہاں قربانی کی جارہی ہو، وہاں ۱۳/ذی الحجہ ہو تو اس روز قربانی کرنا درست نہ ہو؟

☆☆☆

سوالنامہ

کاروبار میں والد کے ساتھ اولاد کی شرکت

تجارت اور کاروبار میں عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص نے کاروبار شروع کیا، اس وقت اس کے بچے چھوٹے تھے، رفتہ رفتہ کاروبار بھی بڑھا اور بچے بھی بڑے ہوئے اور بڑا لڑکا یا یکے بعد دیگرے کئی لڑکے والد کا ہاتھ بٹانے لگے اور کام میں شامل ہوتے گئے جب کہ والد سے کوئی واضح معاملہ طے نہیں پایا کہ کاروبار میں تعاون کرنے والے بیٹوں کی حیثیت ملازم کی ہوگی یا پارٹنر کی، یا یہ صرف ان کی طرف سے والدین کا تعاون ہوگا؟ والد کی زندگی میں کوئی بیس سال کاروبار میں معاون رہا، کوئی دس سال، کوئی پانچ سال، بعض دفعہ اسی کاروبار سے دوسری جائدادیں بھی خریدی جاتی ہیں، اب جب والد کا انتقال ہوجاتا ہے، تو یہ مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ والد کے اس کاروبار کی کس طرح تقسیم عمل میں آئے گی؟ کیا پوری جائداد کی ملکیت ہوگی؟ جس بھائی نے اپنی پوری زندگی والد کے ساتھ لگادی، اس کا حصہ اور جس نے کہیں اور ملازمت کی، باہر جاکر کام کیا، اسی کاروبار کے پیسوں سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی، جس سے مستقبل میں معاشی ترقی کے امکان ہیں اور انہوں نے اپنی آمدنی کو علاحدہ اپنے لئے مخصوص رکھا، ایسے مواقع پر اکثر بعد میں بڑی نزاع پیدا ہوجاتی ہے، اس پس منظر میں درج ذیل سوالات پیش خدمت ہیں:

۱- اگر والد نے اپنے سرمایہ سے کاروبار شروع کیا، بعد کو اس کے لڑکوں میں سے بعض والد کی خواہش پر شریک کار ہوگئے مگر انہوں نے الگ سے اپنا کوئی سرمایہ نہیں لگایا، تو والد کے متروکہ اس کاروبار میں ایسے لڑکوں کی کیا حیثیت ہے، پارٹنر کی، ملازم کی یا معاون کی؟

۲- اگر یہی صورت ہو، لیکن بچوں نے کاروبار کے کاموں میں شریک ہوتے ہوئے کچھ اپنا سرمایہ بھی والد کی اجازت سے داخل کیا ہو، تو اس صورت میں کیا حکم ہوگا؟

۳- اگر کاروبار کسی لڑکے نے اپنے ہی سرمائے سے شروع کیا ہو لیکن دوکان پر اپنے والد کو بیٹھایا ہو یا تبرکاً اپنے والد کے نام پر دوکان کا نام رکھا ہو، تو اس صورت میں کیا حکم ہوگا؟

۴- اگر ایک بھائی نے کاروبار میں والد کا ہاتھ بٹایا اور دوسرے بھائیوں نے کسب معاش کے دوسرے ذرائع اختیار کئے، جب کہ آپس میں تقسیم نہیں ہوئی تھی، سب لوگوں کا کھانا پینا ایک ساتھ تھا، تو اس صورت میں دوسرے بھائیوں کی کمائی سبھوں کے درمیان مشترک سمجھی جائے گی یا وہ تنہا ان کی ملکیت ہوگی؟

۵- اگر کسی وجہ سے والد کا کاروبار ختم ہوگیا لیکن کاروبار کی جگہ، خواہ مملوکہ ہو یا کرایہ پر حاصل کی گئی ہو، موجود ہو، اولاد میں سے کسی نے اپنا سرمایہ لگا کر اسی نام سے دوبارہ کاروبار کو شروع کیا، تو اب یہ کاروبار اس کی ملکیت میں ہوگی یا والد کی؟

☆☆☆

سوالنامہ

سونے اور چاندی کا نصاب

شریعت نے زکوٰۃ کے لئے ایک مقررہ مقدار کو معیار بنایا ہے، جس کو اصطلاح میں نصاب کہا جاتا ہے، یہ غنا کا بھی پیمانہ ہے اور فقر کا بھی، یعنی اس نصاب کے مالک ہونے کی وجہ سے زکوۃ واجب ہوتی ہے اور اسی نصاب کے بقدر مال کے مالک ہونے پر وہ مصرفِ زکوۃ بننے سے محروم ہوتا ہے؛ گویا استحقاق زکوۃ اور حرمانِ زکوۃ دونوں کے لئے کسی قدر فرق کے ساتھ یہی معیار ہے۔

پھر اموال زکوۃ میں بعض تو وہ ہیں جو بجائے خود انسانی ضرورت کو پورا کرتے ہیں، جیسے: اجناس اور حیوانات، اور بعض وہ ہیں جو انسانی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے وسیلہ بنتے ہیں، جیسے: سونا اور چاندی۔ پہلی قسم کی چیزوں کی قیمتوں میں اتار چڑھاؤ سے زیادہ فرق نہیں پڑتا؛ کیوں کہ قیمت کے گھٹنے اور بڑھنے سے اس کی افادیت اور نافعیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا؛ لیکن سونے اور چاندی کی حیثیت ذریعۂ تبادلہ کی ہے ؛اس لئے اس میں اس کی قدر اور قوت خرید کی بڑی اہمیت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے صراحۃً سونے اور چاندی کا نصاب مقرر فرمایا ہے، حضور ﷺ کے زمانہ میں بھی اور آپ ﷺ کے بعد بھی طویل عرصہ تک سونے اور چاندی کی قوت خرید اور قدر یکساں تھیں؛ لیکن اب دونوں میں بڑا فرق ہوگیا ہے، مثلاً اس وقت ساڑھے سات تولے سونے کی قیمت ایک لاکھ سے اوپر ہے اور ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت دس ہزار سے کچھ اوپر ہے، اس طرح ان دونوں نصاب کی قدر میں کوئی مناسبت نہیں رہی، وجوب زکوۃ کے ساتھ ساتھ حرمانِ زکوۃ کے مسئلہ میں بھی خاص طور پر دشواری پیش آتی ہے؛ کیوں کہ چاندی کے نصاب کے اعتبار سے اگر کوئی شخص بنیادی ضروریات کے علاوہ پندرہ ہزار روپے کی کسی شئی کا مالک ہو تو اسے زکوۃ نہیں دی جاسکتی ہے؛ حالاں کہ آج کے ماحول میں یہ بہت معمولی رقم متصور ہوتی ہے۔

اس پس منظر میں دو سوالات پیش خدمت ہیں:

۱۔ یہ بات ظاہر ہے کہ سونا اور چاندی کا نصاب منصوص ہے، اگر کوئی شخص سونے یا چاندی کی مقررہ مقدار کا مالک ہوجائے، تو اس پر اس مال کی زکوۃ واجب ہوجائے گی؛ لیکن سوال یہ ہے کہ موجودہ حالات میں اگر کسی شخص کے پاس نقد روپے یا سامان تجارت ہو، تو زکوۃ واجب ہونے کے لئے پیمانہ سونے کا نصاب ہوگا یا چاندی کا نصاب؟ یعنی اگر کسی شخص کے پاس مثلاً اتنی نقد رقم ہو جس سے نصاب کے بقدر چاندی تو خریدی جاسکتی ہے؛ لیکن نصاب کے بقدر سونا خریدا نہیں جاسکتا ہو، تو ایسے شخص پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اسی طرح اگر کسی شخص کے پاس نقد رقم، مال تجارت یا اموال زکوۃ کے علاوہ کوئی مال چاندی کے نصاب کی قیمت کا موجود ہو، مگر وہ سونے کے نصاب کی قیمت کو نہیں پہنچتا ہو، تو اس کے لئے زکوۃ لینا جائز ہوگا یا حرام؟

۲۔ حنفیہ کے نزدیک اگر کسی شخص کے پاس کچھ مقدار سونے اور کچھ مقدار چاندی کی ہو اور دونوں کا مجموعہ نصاب کے بقدر ہوجاتا ہو، تو زکوۃ واجب ہوجاتی ہے، البتہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس میں قیمت کا اعتبار ہے، اگر کسی کے پاس کچھ چاندی اور کچھ سونا ہو اور دونوں کی مجموعی قیمت چاندی کے نصاب کے برابر ہوجاتی ہو، تو موجودہ قیمت کے لحاظ سے امام صاحب کے یہاں زکوۃ واجب ہوجائے گی، جبکہ صاحبین

ضم الاجزاء کے قائل ہیں، یعنی سونے اور چاندی میں سے ایک کی مقدار اس کے نصاب کے ایک تناسب کو پورا کرتی ہو اور دوسرے کی مقدار اس کے نصاب کے بقیہ تناسب کو پورا کردیتی ہو، تب زکوۃ واجب ہوتی ہے، مثلا: سونا اس کے نصاب کا ایک چوتھائی ہے اور چاندی اس کے نصاب کا تین چوتھائی، تو اب زکوۃ واجب ہوگی، موجودہ حالات میں امام صاحبؒ کے قول پر ممکن ہے کہ ایک تولہ سونا اور ایک تولہ چاندی میں زکوۃ واجب ہوجائے اور سات تولہ صرف سونا ہو تو زکوۃ واجب نہ ہو پائے، ایسی صورت میں کیا ضم نصاب کے مسئلہ میں صاحبین کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے؟

☆☆☆

تجاویز:

انیسواں فقہی سمینار

بتاریخ ۲۷ تا ۳۰؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ، مطابق ۱۲ تا ۱۵؍فروری ۲۰۱۰ء، جامع مظہر سعادت ہانسوٹ، گجرات

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا انیسواں سمینار صوبہ گجرات کے ضلع بھروچ کے معروف علمی ادارہ ''جامع مظہر سعادت ہانسوٹ'' میں ۲۷ تا ۳۰؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۱۲ تا ۱۵؍فروری ۲۰۱۰ء بروز جمعہ تا دوشنبہ منعقد ہوا۔

اس سمینار میں ملک کے تمام صوبہ جات کے ممتاز علماء، اور مرکزی اداروں کے نمائندوں کی بڑی تعداد نے شرکت کی، بیرون ملک سے بھی بہت سے علماء کی شرکت رہی، امریکہ، کناڈا، برطانیہ، جنوبی افریقہ کے علاوہ نیپال وایران نیز قطر سے وہاں کے معروف عالم ومحقق شیخ علی محی الدین قرہ داغی، اور مصر سے دار الافتاء مصریہ کے نمائندہ ونائب مفتی شیخ احمد ممدوح سعد نے بھی شرکت کی۔

اس سمینار میں پانچ موضوعات سے متعلق درج ذیل تجاویز پاس کی گئیں، ایک موضوع ''سونے اور چاندی کا نصاب'' کو مزید غور وفکر کے لئے آئندہ اجلاس کے لئے ملتوی کیا گیا۔

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق:

۱- غیر مسلم ممالک کی عدالت کا جج اگر مسلمان ہو اور وہ فیصلہ کرتے وقت شرعی ضوابط کو ملحوظ رکھتا ہے تو اسے مسلم حاکم کے قائم مقام تسلیم کرتے ہوئے فسخ نکاح کے سلسلہ میں اس کا فیصلہ معتبر ہوگا۔

۲- جن غیر مسلم ممالک میں حکومت کی طرف سے مسلمانوں کے لئے شرعی اصولوں کے مطابق قضاء کا نظام قائم نہیں ہے، وہاں کے مسلمانوں پر واجب ہے کہ ارباب حل وعقد کے مشورے سے دار القضاء، شرعی پنچایت یا ان جیسے ادارے قائم کریں اور اپنے نزاعات ومعاملات میں ان ہی کی طرف رجوع کریں۔

۳- طلاق چونکہ ابغض المباحات ہے، اس لئے اسے اختیار کرنے سے پہلے پورے طور پر مصالحت اور نباہ کی صورت نکالنی چاہئے اور حتی الامکان طلاق وخلع سے بچنے کی کوشش کی جانی چاہئے۔

۴- غیر مسلم ممالک کی عدالت میں شوہر قانونی مجبوری کے تحت غیر مسلم جج کو درخواست دیتا ہے کہ میرا رشتہ نکاح ختم کردیا جائے اور جج تفریق کا فیصلہ کرتا ہے، تو جج کے فیصلہ تفریق کو طلاق بائن مانا جائے گا؛ البتہ بہتر ہے کہ عدالت کے فیصلہ کے بعد شوہر اپنی زبان سے بھی الفاظ طلاق کہہ دے۔

۵- اگر غیر مسلم ممالک کی عدالت میں غیر مسلم جج کے سامنے عورت رشتہ ازدواج کو ختم کرنے کے لئے درخواست دیتی ہے اور غیر مسلم جج اس کی درخواست پر شوہر کی اجازت سے تفریق کا فیصلہ کرتا ہے تو معتبر ہے، ورنہ یہ تفریق شرعاً معتبر نہیں ہوگی، ایسی صورت میں عورت یا تو شوہر سے خلع حاصل کرے یا دار القضاء وشرعی پنچایت کے ذریعہ نکاح فسخ کرائے۔

موجودہ کرنسی کی شرعی حیثیت:

۱- مؤخر مطالبات اور بقایا جات کو قیمتوں کے اشاریہ یا سونے چاندی کی قیمت سے مربوط کرنا درست نہیں ہے، اس لئے کہ اشاریہ دقیق فنی اصولوں اورظن وتخمین پر مبنی ہونے کی وجہ سے نا قابل عمل بھی ہے اور سخت نزاع کا باعث ہوسکتا ہے، نیز دونوں صورتوں میں ربا کا دروازہ بھی کھل سکتا ہے۔

۲- بہتر ہے کہ مہر مؤجل سونے یا چاندی میں مقرر کیا جائے جیسا کہ اس سے پہلے بھی اکیڈمی فیصلہ کر چکی ہے، ایسی صورت میں بوقت ادائیگی مقررہ مقدار میں سونا یا چاندی ادا کرنا ہوگا، اور اگر اس وقت دونوں فریق اتنی مقدار سونا یا چاندی کی قیمت کے پیسوں کی ادائیگی پر اتفاق کرلیں تو یہ بھی جائز ہے، یہی حکم اس وقت بھی ہوگا جبکہ کسی شئ کی اجرت یا قیمت سونے یا چاندی میں طے کی جائے۔

تورّق کا مسئلہ:

بعض دفعہ انسان کو نقد رقم کی ضرورت ہوتی ہے اور اسے کوئی قرض دینے والا نہیں ملتا، لہٰذا وہ شخص کوئی مال ادھار زیادہ قیمت پر خرید کر کسی تیسرے شخص کے ہاتھ نقد کم قیمت پر فروخت کردیتا ہے تاکہ اسے نقد رقم حاصل ہوجائے، یہ صورت دور قدیم سے رائج ہے، فقہاء حنابلہ کے یہاں اس صورت مسئلہ کے لئے ''تورق'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، جمہور فقہاء کے نزدیک دو علیحدہ عقد ہونے کی بنا پر یہ صورت جائز ہے۔ دور حاضر میں بعض اسلامی بینک اور مالیاتی ادارے تورّق کے نام سے بعض معاملات کرتے ہیں جن کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے، اس پس منظر میں سمینار میں غور وخوض اور بحث ومباحثہ کے بعد درج ذیل قرار دادیں طے پائیں:

۱- اگر اسلامی بینک یا کوئی اور مالیاتی ادارہ قرض لینے والے کے ہاتھ سامان زیادہ قیمت میں ادھار فروخت کر کے کم قیمت میں خود ہی یا اس کا کوئی ذیلی ادارہ خریدتا ہے تو یہ ناجائز ہے۔

۲- اگر بینک حقیقت میں خرید وفروخت نہیں کرتا بلکہ یہ صرف کاغذی کارروائی ہوتی ہے تو یہ بھی شرعاً ناجائز ہے۔

۳- اگر اسلامی بینک قرض لینے والے کے ہاتھ اپنا کوئی سامان زائد قیمت میں ادھار فروخت کر کے بے تعلق ہوجائے اور خریدار اس سامان کو قبضہ میں لینے کے بعد اپنے طور پر کسی ایسے شخص کے ہاتھ کم قیمت میں نقد فروخت کردے جس کا اس بینک سے اس معاملہ میں کوئی تجارتی تعلق نہ ہو تو یہ صورت جائز ودرست ہوگی۔

ایام قربانی میں کس مقام کا اعتبار ہے؟:

جو شخص قربانی کا وکیل بنا رہا ہے وہ الگ مقام پر ہو اور جہاں قربانی کی جارہی ہو وہ الگ مقام ہو تو اوقات قربانی کی ابتداء وانتہا کے سلسلہ میں مقام قربانی کا اعتبار ہوگا؛ بشرطیکہ جس شخص کی طرف سے قربانی کی جارہی ہے، اس پر ۱۰؍ ذی الحجہ کی صبح صادق طلوع ہوگئی ہو؛ لہٰذا:

الف: جس شخص کی طرف سے قربانی کی جارہی ہے اگر اس کے یہاں ۱۰؍ ذی الحجہ شروع نہیں ہوئی، تو اس کی طرف سے قربانی نہیں کی جاسکتی، اگر چہ قربانی کئے جانے کے مقام پر اس دن ۱۰؍ ذی الحجہ ہو۔

ب: جس شخص کی طرف سے قربانی کی جارہی ہے اگر اس کے یہاں ۱۲؍ ذی الحجہ کا غروب آفتاب ہوچکا ہے؛ لیکن جہاں قربانی ہورہی ہے وہاں ابھی ۱۲؍ ذی الحجہ باقی ہے تو اس کی جانب سے قربانی کرنا درست ہے۔

ج: جس شخص کی طرف سے قربانی کی جارہی ہے اس کے مقام پر ۱۲؍ذی الحجہ کی تاریخ ہے اور جہاں قربانی کی جارہی ہے وہاں ۱۲؍ذی الحجہ گزر چکی ہے تو اب وہاں قربانی کرنا درست نہیں ہے۔

شق ''الف'' میں درج ذیل حضرات کا اختلاف ہے:

مفتی رشید احمد فریدی، مفتی عبدالودود مظاہری، مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی محمد عثمان گورینی، مولانا عبدالرب اعظمی، مفتی شوکت ثناء قاسمی، مفتی نعمت اللہ، مولانا محمد کامل قاسمی اور مولانا احتشام الحق۔ ان حضرات کے نزدیک مذکورہ صورت میں قربانی درست ہے، البتہ ان میں سے بعض حضرات کے نزدیک احتیاط اس میں ہے کہ اس صورت میں قربانی نہ کی جائے۔

شق ''ب'' میں مفتی سلمان پالنپوری صاحب کا اختلاف ہے، ان کے نزدیک مذکورہ صورت میں قربانی درست نہیں ہے۔

کاروبار میں والد کے ساتھ اولاد کی شرکت:

۱- شریعت اسلامیہ نے مسلمانوں کو معاملات کی صفائی کی طرف خاص توجہ دلائی ہے، اس لئے مسلمان اپنی معاشرت میں معاملات کی صفائی کا خاص اہتمام کریں، خصوصاً تجارت اور کاروبار میں اس کی اہمیت بہت ہی زیادہ ہے۔ ایک شخص تجارت کر رہا ہے، اور اس کی اولاد بھی اس کاروبار میں شریک ہے تو جو بیٹے باپ کے ساتھ کاروبار میں شریک ہو رہے ہیں، ان کی حیثیت (شریک، اجیر یا معاون کے طور پر) شروع سے متعین ہو جائے، تو خاندانوں میں ملکیت کے اعتبار سے جو نزاعات ہوتے ہیں ان کا بڑی حد تک سدّ باب ہو جائے گا، اس لئے اس طرح کے معاملات میں پہلے سے حیثیت متعین کرنے کا اہتمام کیا جائے۔

۲- اگر والد نے اپنے سرمائے سے کاروبار شروع کیا، بعد میں اس کے لڑکوں میں سے بعض شریک کار ہو گئے، مگر الگ سے انھوں نے اپنا کوئی سرمایہ نہیں لگایا اور والد نے ایسے لڑکوں کی کوئی حیثیت متعین نہیں کی، تو اگر وہ لڑکے باپ کی کفالت میں ہیں تو اس صورت میں وہ لڑکے والد کے معاون شمار کئے جائیں گے، اور اگر باپ کی زیر کفالت نہیں ہیں تو عرفاً جو اجرت عمل ہو سکتی ہے وہ ان کو دی جائے۔

۳- اگر والد کے ساتھ بیٹوں نے بھی کاروبار میں سرمایہ لگایا ہو اور سب کا سرمایہ معلوم ہو کہ کس نے کتنا لگایا ہے تو ایسے بیٹوں کی حیثیت باپ کے شریک کی ہوگی، اور سرمائے کی مقدار کے تناسب سے شرکت مانی جائے گی، سوائے اس کے کہ سرمایہ لگانے والے بیٹے کی نیت والد کے یا مشترکہ کاروبار کے تعاون کی ہو شرکت کی نہیں۔

۴- اگر کاروبار کسی لڑکے نے اپنے ہی سرمائے سے شروع کیا ہو لیکن بہ طور احترام دوکان پر والد کو بٹھایا ہو یا اپنے والد کے نام پر دوکان کا نام رکھا ہو تو اس صورت میں کاروبار کا مالک لڑکا ہوگا، والد کو دوکان پر بٹھانے یا ان کے نام پر دوکان کا نام رکھنے سے کاروبار میں والد کی ملکیت و شرکت ثابت نہ ہوگی۔

۵- باپ کی موجودگی میں اگر بیٹوں نے اپنے طور پر مختلف ذرائع کسب اختیار کئے اور اپنی کمائی کا ایک حصہ والد کے حوالے کرتے رہے تو اس صورت میں باپ کو ادا کردہ سرمایہ باپ کی ملکیت شمار کی جائے گی۔

۶- اگر کسی وجہ سے والد کا کاروبار ختم ہو گیا لیکن کاروبار کی جگہ باقی ہو، خواہ وہ جگہ مملوکہ ہو یا کرائے پر حاصل کی گئی ہو، اور اولاد میں سے کسی نے اپنا سرمایہ لگا کر اسی جگہ اور اسی نام سے دوبارہ کاروبار شروع کیا تو اس صورت میں جس نے سرمایہ لگا کر کاروبار شروع کیا، کاروبار اس کی ملکیت ہوگی، والد کی ملکیت نہیں ہوگی، لیکن وہ جگہ (خواہ مملوکہ ہو یا کرایہ پر لی گئی ہو) دوبارہ کاروبار شروع کرنے

والے کی نہیں بلکہ اس کے والد کی ہوگی، اور والد کی وفات کی صورت میں اس میں تمام ورثہ کا حق ہوگا، اور اسی طرح کاروبار کا گڈ ول بھی باپ کا حق ہے اور اس کی وفات کے بعد تمام ورثہ کا حق ہوگا۔

۷- اس موضوع سے متعلق سماج میں پیش آنے والے مختلف مسائل ہیں جن کو واضح کرنے اور عام مسلمانوں کو ان سے واقف کرانے کی ضرورت ہے؛ اس لئے یہ اجتماع اکیڈمی سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اس سلسلہ میں ایک مفصل رہنما تحریر تیار کرے اور ان میں جو مسائل قابل تحقیق ہوں حسب گنجائش آئندہ منعقد ہونے والے سمیناروں میں انہیں اجتماعی غور وفکر کے ذریعہ طے کرے۔

۸- ائمہ وخطباء اور علماء کرام سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ اپنے اپنے علاقے میں معاملات کی صفائی کے سلسلے میں ذہن سازی کریں، اور شرکت ومیراث وغیرہ کے جو شرعی اصول واحکام ہیں ان سے ان کو آگاہ کریں، خاص طور پر والدین، اولاد، بھائیوں اور میاں بیوی کے درمیان شرکت کے مسائل سے واقف کرائیں۔

☆☆☆